اوزانِ شرعیہ

درہم، دینار، صاع، مُدّ، ذراع، میل وغیرہ کی مکمل تحقیق
اور مروّجہ اوزان اور پیمانوں کے مطابق ان کی تشریح و توضیح

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مفتی اعظم پاکستان

ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيْزَانَ

اور سیدھی ترازو تولو انصاف سے اور مت گھٹاؤ تول کو

درہم، دینار، صاع، مُدّ، ذراع، میل وغیرہ کی مکمل تحقیق

اور مروّجہ اوزان اور پیمانوں کے مطابق ان کی تشریح و توضیح

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مفتیٔ اعظم پاکستان

ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

فہرستِ مضامین

مضمون	صفحہ نمبر

مضمون	صفحہ نمبر

ضمیمہ

مقدمہ طبع سوم

جمادی الاولیٰ ۱۳۸۲ھ

زیرِ نظر رسالہ اب سے اکیس (۲۱) سال پہلے ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ میں شائع ہوا تھا، پھر دوسری مرتبہ جمادی الثانیہ ۱۳۶۴ھ میں دیوبند سے شائع ہوا۔

اب تیسری اشاعت کے وقت اس پر نظرِ ثانی اور کچھ ترمیمات کی نوبت آئی اور اس کے ساتھ ہی ایک قلمی رسالہ "المصباح المنیر" سندھ کے مشہور اور متقدم عالم کا مجھے مل گیا، جس کو انہوں نے ۱۱۴۸ھ میں تصنیف فرمایا ہے، ان کا اسمِ گرامی شیخ محمد قائم سندھی ہے، جو مذہباً حنفی اور مشرباً قادری ہیں۔ نظرِ ثانی کے وقت اس رسالہ کے اہم اجزاء کا اضافہ بھی کردیا گیا اور ایسی ہر جگہ "مصباح" کا حوالہ لکھ دیا گیا ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْم

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

کراچی یکم جمادی الاولیٰ ۱۳۸۲ھ

مقدمہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ و کفٰی وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی ولا سیما علٰی سیّدنا محمد المجتبٰی ومن بھدیہ اھتدٰی!

شریعت کے بہت سے احکام ناپ تول سے متعلق ہیں، جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے اوزان اور پیمانوں کے مطابق ارشاد فرمایا ہے، مثلاً: صاع، مد، اوقیہ، درہم، دینار، مثقال وغیرہ۔

بلادِ ہند و پاکستان میں دوسری طرح کے اوزان اور پیمانے رائج ہیں، اس لئے ان احکام کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ شرعی اوزان اور پیمانوں کی مقداریں ہند و پاکستان کے مروّجہ اوزان اور پیمانوں سے بتلائی جائیں۔

اس کے لئے زمانۂ قدیم سے علماء نے مستقل رسالوں اور متفرق فتاویٰ میں مفصل اور مختصر بحثیں کی ہیں، علماء کی اس تحقیق میں کچھ اختلافات بھی پیش آئے، مثلاً جمہور علمائے ہند کی تحقیق اور فتویٰ مشہور نصاباتِ شرعیہ میں حسبِ ذیل ہے:-

چاندی کا نصاب:-	باون (۵۲) تولہ چھ (۶) ماشہ۔
سونے کا نصاب:-	ساڑھے سات تولہ چھ (۶) ماشہ۔
ایک صاع:-	اسّی (۸۰) تولہ کے سیر سے ساڑھے تین سیر۔
نصف صاع:-	اسّی (۸۰) تولہ کے سیر سے پونے دو سیر۔

لیکن حضرت مولانا عبدالحیؒ لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اور بعض دیگر علمائے لکھنؤ کی تحقیق اس بارہ میں متفاوت ہے، اور تفاوت بھی معمولی نہیں کیونکہ چاندی کا نصاب ان کے نزدیک صرف چھتیس تولہ ساڑے پانچ ماشہ، اور سونے کا پانچ تولہ اڑھائی ماشہ اور نصف صاع تقریباً ایک سیر پندرہ تولہ ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اس تفاوتِ عظیم کا اثر اموال سے متعلقہ تمام احکامِ شرعیہ پر بہت زیادہ پڑتا ہے، اسی بناء پر عام مسلمانوں میں یہ سوال مدّت سے دائر ہے۔ پھر ۱۳۶۱ہجری میں خصوصاً دار الافتاء دارالعلوم (دیوبند) میں بیک وقت اس کے متعلق بہت سے سوالات جمع ہوگئے، نیز رمضان المبارک میں رہبر دکن کے ایک پرچے سے معلوم ہوا کہ حیدرآباد میں علماء کی ایک جماعت نے اس مسئلہ پر غور کیا اور حضرت مولانا لکھنویؒ کی تحریر کے مطابق نصابِ زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر وغیرہ کی مقدار کا فیصلہ شائع فرمایا، اس کی بناء پر اور بھی سوالات کا ہجوم ہوگیا۔

اس لئے ضرورت ہوئی کہ فقہاء کی تصریحات کے ماتحت اوزانِ ہندیہ میں ان مقادیرِ شرعیہ کی پوری تحقیق کی جاوے۔ احقر نے اپنی قدرت و وسعت کے موافق ان سب کی تفتیش و تحقیق میں امکانی کوشش پوری کی، اس کا جو کچھ نتیجہ احقر کے سامنے آیا وہ لکھ کر سیّدی حضرت حکیم الامت تھانوی کی خدمت میں پیش کردیا، حضرت قدس سرہٗ نے اس کو پسند فرما کر اس کا نام:- "ارجح الاقاویل فی اصح الموازین والمکائیل" تجویز فرمایا، واللہ تعالٰی المسئول للصواب والسداد والیہ المرجع فی کل مبداء ومعاد۔

اَوزانِ شرعیہ کے مسلّمہ اصول

اوزانِ شرعیہ کو اوزانِ ہندیہ میں منتقل کرنے اور حساب لگانے میں جن اصول سے کام لیا جاسکتا ہے وہ تقریباً سب علمائے ہند کے نزدیک مسلّم ہیں، اور عرب وعجم کے سب فقہائے متقدمین ومتاخرین ان پر متفق ہیں، اور ہماری معروف کتبِ فقہ: مجمع الانہر، دُرمختار، شامیہ، عالمگیری، البحرالرائق، شرح وقایہ، جامع الرموز، کتاب الاموال ابوعبید وغیرہ میں صراحت کے ساتھ منقول ہیں، وہ یہ ہیں:-

نام وزن عربی	مقدار بوزن عربی	نام وزن عربی	مقدار بوزن عربی
قیراط	پانچ جو	رطل بحساب مُدّ	نصف مُدّ
درہم	ستّر جو	رطل بحساب استار	بیس استار
مثقال	سو جو	استار بحساب درہم	ساڑھے چھ درہم
ایک جو	تین چاول	استار بحساب مثقال	ساڑھے چار مثقال
ایک چاول	دو دانہ رائی (خردل)	صاع بحساب درہم	ایک ہزار چالیس درہم
صاع بغدادی	۸ رطل	صاع بحساب مثقال	سات سو بیس مثقال
رطل بحساب درہم	۱۳۰ درہم	صاع بحساب مُدّ	چار مُدّ
رطل بحساب مثقال	۹۰ مثقال	صاع بحساب استار	ایک سو ساٹھ استار

فقہاء کی تصریحات میں سے چند حوالے ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں:-

۱:- ”فی فتح القدیر زکوٰۃ المال قال

ابو عبيد فی الاموال ولم يزل المثقال فی آباد الدهر محدودًا لا يزيد ولا ينقص وكلام السجاوندی فی قسمة التركات خلافهٗ. قال الدينار بسنجة اهل الحجاز عشرون قيراطًا والقيراط خمس شعيرات فالدينار عندهم مائة شعيرة وعند اهل سمرقند ستة وتسعون شعيرة (الیٰ قوله) فلا حاجة الی الاشتغال بتقدير ذٰلک وهو تعريف الدينار علی عرف سمرقند وتعريف دينار الحجاز هو المقصود اذ الحكم قد خرج من هناک ويوضح ذٰلک قوله صلی الله عليه وسلم المكيال مكيال اهل المدينة والوزن وزن مكة. لفظ النسائی عن احمد بن سليمان ووثقه."　　　(فتح القدير ج:۱ ص:۵۲۳)

"فتح القدیر میں ہے کہ ابوعبید نے کتاب الاموال میں فرمایا کہ دینار ہمیشہ سے محدود و متعین چلا آتا ہے، اس میں کبھی کمی بیشی نہیں ہوئی اور قسمت ترکات کی بحث میں سجاوندی کا کلام اس کے خلاف ہے، کیونکہ انہوں نے کہا کہ دینار اہل حجاز کے وزن سے بیس قیراط اور قیراط پانچ جو کا ہے، اس لئے ایک دینار ان کے نزدیک سو۱۰۰ جو کا ہے، اور اہل سمرقند کے نزدیک ۹۶ جو کا۔ (پھر فرمایا) مگر اہل سمرقند

کے وزن کی تحقیق میں پڑنا فضول ہے، کیونکہ مقصود اس جگہ حجازی وزن ہے کیونکہ حکمِ زکوٰۃ وہیں سے نکلا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ''پیمانہ مدینہ طیبہ کا اور وزن مکہ کا معتبر ہیں۔'' نسائی نے اس حدیث کو بروایت احمد بن سلیمان روایت کیا ہے اور اس کی توثیق فرمائی ہے۔''

۲:- ''فی الدر المختار الدینار عشرون قیراطًا والدرهم اربعة عشر قیراطًا والقیراط خمس شعیرات فیکون الدرهم الشرعی سبعین شعیرة والمثقال مائة شعیرة اھ قال الشامی تحته شعیرة معتدلة لم تقشر وقطع من طرفیها مادق وطال.''
(در مختار مع الشامی ج: ۲ ص:۲۹. ومثله فی البحر الرائق ج: ۲ ص:۲۲۷، ومثله فی شرح الوقایة ومجمع الانهر وجامع الرموز)

''درمختار میں ہے کہ دینار بیس قیراط اور درہم چودہ[۱۴] قیراط کا ہے، اور قیراط پانچ جو کا، پس درہم شرعی ستر جو، اور مثقال سو[۱۰۰] جو کا ہوگیا۔ علامہ شامی نے اس قول کی شرح میں فرمایا کہ یہ جو معتدل (درمیانہ) ہونے چاہئیں جن کا چھلکا نہ اتارا گیا ہو، اور اس کے دونوں طرف سے جو لانبا تنکا دم

کی طرح ہوتا ہے وہ قطع کردیا گیا ہو۔ اور یہی مضمون بحرالرائق، شرح وقایہ، مجمع الانہر، جامع الرموز میں بھی مذکور ہے۔"

۳:۔"وفی الدر المختار والصاع المعتبر ما یسع الفا واربعین درهما من مَاش او عدس اهـ. قال الشامی اعلم ان الصاع اربعة امداد والمدّ رطلان والرطل نصف منّ والمنّ بالدرهم مائتان وستون درهمًا وبالاستار اربعون والاستار بكسر الهمزة بالدرهم ستة ونصف وبالمثاقيل اربعة ونصف كذا فی دررِ البحار فالمدّ والمنّ سواء كل منهما ربع صاع رطلان بالعراقی والرطل مائة وثلٰثون درهمًا واختلف فی الصاع فقال الطرفان ثمانية ارطال بالعراقی وقال الثانی خمسة ارطال وثلث وقيل لا خلاف (الیٰ قوله) وهذا هو الاشبه لان محمدًا لم يذكر خلاف ابی يوسف ولو كان لذكره لانه اعرف بمذهبه." (شامیه ج:۲ ص:۷٦)

"اور درمختار میں ہے کہ وہ صاع جو احکامِ شرعیہ میں معتبر ہے وہ پیمانہ ہے جس میں ایک ہزار ۴۰ درہم کی برابر ماش یا مسور سما جائے۔ علامہ شامی نے اس قول کی شرح

میں لکھا ہے کہ صاع چار مُدّ کا اور مُدّ دو[۲] رطل اور رطل نصف من (باصطلاحِ حجازی) اور ایک من درہم کے حساب سے دو سو ساٹھ[۲۶۰] درہم ہے اور استار کے حساب سے ۴۰ استار اور استار بکسر ہمزہ بحساب درہم ساڑھے چھ درہم کی برابر اور بحساب مثقال ساڑھے چار مثقال کی برابر (کذا فی درر البحار) پس مد اور من برابر ہیں ہر ایک ان میں سے چوتھائی صاع کی برابر ہے جو دو رطل عراقی کے برابر ہے اور رطل ایک سو تیس درہم کی برابر۔ اور صاع کے وزن میں اختلاف ہے، امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ پانچ رطل اور تہائی رطل کا ایک صاع ہوتا ہے، اور بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے (کہ ائمہ حنفیہ کا) صاع کے متعلق کوئی اختلاف نہیں بلکہ باتفاق آٹھ رطل کا صاع ہوتا ہے اور یہی بات (یعنی اختلاف نہ ہونا ہی) زیادہ قریب ہے کیونکہ امام محمدؒ نے اس میں ابو یوسفؒ کا کوئی خلاف نقل نہیں فرمایا اور اگر اختلاف ہوتا تو وہ ضرور ذکر کرتے کیونکہ وہ ان کے مذہب سے زیادہ واقف ہیں۔"

۴:-"وفی شرح الوقایة ونصف صاع من العراقی فهو منوان علی ان المنّ اربعون استارًا والاستار اربعة مثاقیل ونصف مثقال فالمنّ مائة

وثمانون مثقالا اھ۔“

”اور شرح وقایہ میں ہے کہ نصف صاع عراقی دو من کا ہے اس طرح پر کہ ایک من ۴۰ استار کا اور استار ساڑھے چار مثقال، پس ایک من ایک سو اسی[١٨٠] مثقال کا ہوگیا۔“

۵:-”قال علامة محمد بن صالح المعروف بقاضی زاده ساکن المدینة فی نتائج النظر حاشیة الدرر الشعیرة ثلاث حبات من الارز کما فی المتانة وستة خرادل.“ (مصباح)

”علامہ محمد بن صالح ساکن مدینہ نے نتائج النظر حاشیہ درر میں فرمایا ہے کہ ایک جو تین چاول کے برابر ہوتا ہے اور یہ چھ رائی کے دانوں کے برابر۔“

اور غایت البیان میں ہے:-

۶:-”الدینار عشرون قیراطًا کل قیراط اثناعشر ارزة والارز خردلتان حدیثتان من الخردل البری.“ (مصباح)

”دینار بیس[٢٠] قیراط کا اور قیراط بارہ[١٢] چاول کا اور چاول دو[٢] رائی کے دانوں کی برابر ہوتا ہے رائی نئی جنگلی ہونا چاہئے۔“

فقہاء رحمہم اللہ کی تصریحاتِ مذکورہ بالا، جمہور علمائے ہندوستان اور حضرت مولانا عبدالحیٔ لکھنویؒ کے نزدیک متفق علیہ اور مسلّمات میں سے ہیں اور انہیں تصریحات پر سب نے اپنے اپنے حساب کی بنیاد رکھی ہے۔

لیکن اختلاف یہاں سے پیدا ہوا کہ مولانا لکھنویؒ نے ستّر جَو جو مقدار درہم ہے اس کو دو ماشہ ڈیڑھ رتی قرار دیا اور جمہور علمائے ہند نے تین ماشہ ایک رتی اور پانچواں حصہ رتی کا قرار دیا، اسی طرح مثقال مولانا لکھنویؒ کی تحقیق پر تین ماشہ ایک رتی کا ہوتا ہے اور جمہور کی تحقیق پر ساڑھے چار ماشہ کا، پھر چونکہ صاع کا وزن بھی مآلاً درہم اور مثقال ہی سے لیا جاتا ہے تو اسی کے حساب سے صاع کے وزن میں بھی تفاوت ہوگیا، اور ظاہر ہے کہ جب ایک درہم کے وزن میں ایک ماشہ سے بھی زائد کا فرق آگیا تو دو سو درہم (نصابِ زکوٰۃ) میں کتنا عظیم الشان تفاوت ہوجائے گا، اسی طرح ایک مثقال میں ڈیڑھ ماشہ کا فرق پڑ گیا تو بیس مثقال میں تیس ماشہ کا فرق ہوجانا لازمی نتیجہ ہے، اسی طرح صاع کا تفاوت سمجھ لیا جائے، اب ہمارے لئے غور طلب صرف یہ چیز رہ گئی کہ ستّر جو اور سوا جو کا وزن بحساب ماشہ کس قدر ہے تاکہ درہم اور مثقال کا صحیح وزن معلوم ہوسکے پھر اس سے سونے چاندی کا صحیح نصاب اور صدقۃ الفطر کی صحیح مقدار معلوم کرنا آسان ہے۔

احقر نے ستّر جو علیحدہ اور سوا جو علیحدہ پوری احتیاط کے ساتھ وزن کئے کہ حسبِ تصریح فقہاء جَو بھی متوسط لئے جو سب دُم بریدہ غیر مقشورہ تھے، پھر خود بھی چند بار وزن کیا اور متعدد صرّافوں سے وزن کرایا، اوّل رائج الوقت ماشہ

کے ساتھ وزن کرایا تو ستّر جو تین ماشہ پانچ رتی کے ہوئے اور سو جو پانچ ماشہ دو رتی کے ہوئے، لیکن رائج الوقت ماشہ تولہ اصل تولہ ماشہ سے کسی قدر کم ہے کیونکہ اس وقت بازار میں سکہ انگریزی روپیہ کو ایک تولہ قرار دے دیا گیا ہے، جو حقیقۃً ساڑھے گیارہ ماشہ کا ہے اور اصل تولہ سے ۴ رتی کم ہے، اسی حساب سے ماشہ ۱/۳ رتی کم ہوا، تین ماشہ پر ایک رتی اور پانچ ماشہ پر پونے دو (۱ ۳/۴) رتی کم ہوگئے تو گویا اس وزن کے حساب سے ستر جو تین ماشہ چار رتی یعنی کل اٹھائیس رتی تقریباً ہوئے، اور سو جو تقریباً چالیس رتی یا پانچ ماشہ کے ہوئے، پھر مزید احتیاط کے لئے یہ ارادہ کیا کہ رتیوں کے ساتھ وزن کیا جائے، چنانچہ بازار سے سرخ گنگچیاں جو فی دانہ ایک رتی ہوتی ہیں جمع کر کے وزن کیا گیا، مگر یہ گنگچیاں بہت متفاوت نظر آئیں، بعض سے ستّر جو کا وزن اٹھائیس رتی اور سو جو کا وزن اکتالیس رتی نکلا اور بعض سے ستّر جو کا وزن ستائیس[۲۷] رتی ہوا، بعض سے چھبیس[۲۶] بعض سے پچیس[۲۵]۔

اسی طرح سو جو کا وزن بھی گنگچیوں سے چالیس[۴۰] بعض سے انتالیس[۳۹]، بعض سے اڑتیس[۳۸] اور بعض سے چھتیس[۳۶] رتی نکلا، تفاوتِ وزن کی وجہ سے غور و تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ اس میں زیادہ تر گنگچیوں کے تفاوت کو دخل ہے کیونکہ گنگچیاں جس قدر سناروں اور صرافوں سے جمع کی گئیں وہ اس قدر متفاوت تھیں کہ نظر میں بھی چھوٹی بڑی معلوم ہوتی تھی لیکن ہمیں صحیح وزن معلوم کرنے کے لئے جس طرح جو متوسط لینے تھے اسی طرح گنگچیاں بھی متوسط لینے کی ضرورت تھی، اس لئے امکانی تلاش و تحقیق سے متوسط درجہ کی گنگچیاں جمع کی

گئیں جو نظر میں بھی تفاوت معلوم نہ ہوتی تھیں اُن سے از سرِ نو وزن کیا تو ستر[۷۰] جو پچیس[۲۵] رتی کی برابر اور سو[۱۰۰] جو پوری چھتیس[۳۶] رتی کی برابر نکلے، پھر اس وزن میں بھی مختلف طریقوں سے تولا اور دوسروں سے تلوایا گیا تو یہی وزن برابر آتا رہا، جس سے معلوم ہوا کہ درہم (جس کی مقدارِ شرعی ستر[۷۰] جو ہے) تین ماشہ ایک رتی کا اور مثقال (جس کی مقدار سو[۱۰۰] جو ہے) پورے ساڑھے چار ماشہ کا ہے، اور یہ وہی وزن ہے جو جمہور علمائے ہندوستان اور اکابرِ دہلی نے محرر فرمایا ہے، صرف درہم کے وزن میں ایک رتی کے پانچویں حصہ کی کمی ہمارے حساب میں رہی، سو ظاہر ہے کہ یہ کمی غیر محسوس ہوسکتی ہے۔

اس تمام تحقیق وتفتیش اور مختلف قسم کی گنگچیوں اور ماشوں وغیرہ سے بار بار وزن کرنے سے یہ بات تو بالکل متعین اور متیقن ہوگئی کہ درہم کا وزن دو ماشہ ڈیڑھ رتی اور مثقال کا تین ماشہ ایک رتی جو حضراتِ لکھنؤ کی تحریر ہے، کسی طرح اور کسی حساب سے صحیح نہیں ہوتا، کیونکہ اُن کی تحقیق پر درہم ساڑھے سترہ رتی اور مثقال پچیس[۲۵] رتی کا ہے اور اس تمام تحقیق وتفتیش اور بار بار کے وزن میں ستر[۷۰] جو (یعنی درہم) کا وزن پچیس[۲۵] رتی سے اور سو[۱۰۰] جو (یعنی مثقال) کا وزن چھتیس[۳۶] رتی سے کم کسی طرح نہیں نکلتا۔

اب اس پر حیرت ہوئی کہ مولانا عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے محقق اور ماہر عالم کے حساب میں اتنا عظیم الشان فرق کیسے آیا؟ سو غور کرنے سے خیال آیا کہ شاید موصوف نے صرف چار جو اور ایک رتی کا باہم وزن ہی فرمایا ہے اس میں تفاوت نا معلوم ہونے کی بناء پر محسوس نہ ہوا، پھر اُسی پر ستر[۷۰] اور سو[۱۰۰] جو کا حساب

لگا کر درہم و مثقال کے وزن قائم فرمادیئے، ستر جو اور سو جو کو مجموعی طور پر وزن نہیں فرمایا ورنہ یہ مغالطہ ہرگز نہ رہتا، چنانچہ اس خیال کے امتحان کے لئے چار جو اور ایک رتی کا وزن کیا تو اس خیال کی پوری تصدیق ہوگئی کہ ظاہر نظر میں بالکل مساوی معلوم ہوئے، پھر اس کی مزید تقویت کے لئے صرف تین جو اور ایک رتی کا وزن کیا تو وہ بھی اسی طرح ظاہر نظر میں برابر محسوس ہوئے، دونوں وزن میں فرق اس قدر خفی تھا کہ محسوس کرنا دشوار تھا جس سے ثابت ہوا کہ دراصل ایک رتی کا وزن نہ پورے چار جو ہیں نہ پورے تین جو، بلکہ تین سے کسی قدر کم ہے اور یہ کمی صرف ایک رتی کے تولنے میں ظاہر نہیں ہوتی، جن حضرات نے ایک رتی کی مقدار چار جو یا بعض (۱) نے تین جو لکھی ہے، وہ یا تو تقریبی ہے اور یا اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے صرف ایک رتی کا وزن دیکھا ہے اور قلیل وزن میں قلیل فرق محسوس نہیں ہوتا۔

الحاصل اس تدقیق و کاوش کے بعد یہ تو یقین ہوگیا کہ درہم کا وزن دو ماشہ ڈیڑھ رتی اور مثقال کا تین ماشہ ایک رتی ہرگز نہیں ہوسکتا۔

اب صرف اتنی بات باقی رہ گئی کہ احقر نے جو مختلف قسم کی گنگچیوں سے یا بازاری ماشہ سے وزن کیا اور ہر قسم میں کچھ نہ کچھ فرق نکلا، ان میں سے کس وزن کو ترجیح دی جاوے، سو اوّل تو احقر کی اپنی تفتیش کے اعتبار سے بھی وہی وزن راجح اور صحیح ہے جو جمہور علمائے ہندوستان کی تحقیق کے بالکل مطابق ہے یعنی ستر جو، پچیس ۲۵ رتی اور سو ۱۰۰ جو، چھتیس ۳۶ رتی کے برابر ہیں، کیونکہ یہ وزن متوسط جو اور متوسط

---

(۱) تذکرۃ الرشید میں حضرت گنگوہیؒ سے یہی نقل کیا گیا ہے۔

گنگچیوں سے کیا گیا ہے، دوسرے جمہور علماء کی تحقیق کے مطابق ہوجانا خود اس وزن کی ترجیح کے لئے کافی ہے کیونکہ ان اکابر علماء نے ساتویں صدی ہجری سے بارہویں تیرہویں صدی ہجری تک مختلف زمانوں اور مختلف بلاد میں اپنی اپنی تحقیق ضبط فرمائی ہے، جیسا کہ عنقریب اس کی تفصیل آتی ہے اور سب کی تحقیقات مطابق ہیں، عادۃً یہ بات ناممکن ہے کہ یہ سب کے سب ایک ہی غلطی پر مجتمع ہوجاویں۔

قدیم علمائے ہندوستان کی تحقیقات

مولانا ابوالفتح رکن الدین بن حسام مفتی ناگوری جو قاضی القضاۃ شیخ حمادالدین احمدؒ کی طرف سے بلاد نہروالہ (صوبہ گجرات) میں منجانب حکومتِ اسلامیہ مفتی مقرر تھے، اور اسی زمانہ میں بڑی تفتیش سے فتاویٰ حمادیہ تصنیف فرمایا تھا، اس میں اکابر علمائے ہندوستان کی تحقیقات اوزانِ شرعیہ کے بارہ میں نقل فرمائی ہیں۔ اس میں بحوالہ حاشیہ مولانا معین الدین از شرح کنز نقل کیا ہے، یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ شرح کنز کون سی اور کس زمانہ کی تصنیف ہے؟ مگر اتنا ظاہر ہے کہ یہ بزرگ قدیم علمائے ہندوستان میں سے ہیں اور بوزنِ بلادنا جو ان کی عبارت مندرجہ ذیل میں آتا ہے اس سے مراد دہلی اور اس کے مضافات ہیں جیسا کہ اس عبارت سے پہلے اسی کتاب میں درہم بلدنا اعنی حضرۃ دہلی مذکور ہے:۔

"والقیراط حبة واربعة اخماس حبة فیکون
وزن الدرهم خمسة وعشرین حبة وخمس حبة
وکل تولجة ثلثة دراهم وعشرین حبة وخمسا حبة

لان تولجة ستة وتسعون حبة لان كل تولجة فی اصطلاحنا اثنا عشرة ماهجة وكل ماهجة ثمانية حبة فعلى هذا يكون نصاب الفضة بوزن بلادنا اثنين وخمسين تولجة ونصف تولجة فالواجب تولجة وربع تولجة وست حبات ونصاب الذهب بوزن بلادنا سبع تولجات ونصف تولجة والواجب ثمن تولجة ونصف ثمن توجلة وذٰلك بالماهجة ماهجتان وربع ماهجة وهٰذا هو التحقيق فی هذا الباب.“ (فتاویٰ حمادیہ ج:۱ ص:۴۳)

”اور قیراط ایک حبہ (رتی) اور ایک حبہ (رتی) کے پانچ حصوں میں سے چار حصے ہیں اس لئے وزن درہم کا پچیس رتی اور پانچواں حصہ رتی کا ہوگیا اور ہر تولہ تین درہم اور بیس رتی اور دو خمس رتی کا ہوگیا کیونکہ تولہ آج کل چھیانوے رتی کا ہے اس لئے کہ تولہ ہماری اصطلاح میں بارہ ماشہ کا ہے، اور ہر ماشہ آٹھ رتی کا پس اس بناء پر چاندی کا نصاب ہمارے بلاد کے وزن کے اعتبار سے ساڑھے باون تولہ ہوا اور مقدارِ زکوٰۃ واجبہ کی اس میں سے ایک تولہ تین ماشہ چھ رتی ہوئی اور نصاب سونے کا ہمارے بلاد کے وزن سے ساڑھے سات تولہ ہوگیا اور مقدار واجب اس میں

سے سوا دو ماشہ ہوگی، اس بارہ میں یہی تحقیق ہے۔"

مولانا معین الدین کی مذکورہ بالا تحقیق بعینہٖ وہ ہے جو حضراتِ دہلی نے اور جمہور علمائے ہندوستان نے بیان کی ہے، نیز اسی فتاویٰ حمادیہ(۱) میں ایک واقعہ ۶۹۴ھ کا شیخ بہاء الدین ابراہیم بن عبداللہ تاجر ملتانی کا نقل کیا ہے، جنہوں نے ہندوستانی اوزان میں درہم و دینار اور صاع و مد کی مکمل تحقیق فرمائی ہے اور مکہ معظّمہ سے درہم شرعی اور دینار اور مد اور صاع کے معتبر و مستند پیمانے ہندوستان لاکر دہلی کے دارالضرب (ٹکسال) میں ان کو وزن کرایا اور محفوظ کرادیا، ان کی بعینہٖ عبارت یہ ہے:-

"من شرح الهداية وحكى ان ابراهيم بن عبدالله التاجر الملتانى لما دخل مكة سنة اربع وتسعين وست مائة بالغ فى تحقيق الدرهم بوزن سبعة والمثقال والصاع والمدّ واتى بدرهم مكة ومثقالها وصاعها ومُدها ووزنها وحرزها بدار الضرب فى حضرة دهلى اجلّها الله تعالىٰ فصار الدرهم الشرعى ثلٰث ماهجة واربع شعيرات وربع شعير والمثقال الشرعى درهمًا من دراهم بلدنا وخُمس درهم ونصف شعير وعشرها والمد ثلٰثة اساتير وثُلث استار باستار بلدنا والصاع ثلٰثة عشر

---

(۱) یہ واقعہ مصباح المنیر میں شیخ محمد قاسم سندھی نے بھی نقل کیا ہے۔ ۱۲ منہ

استارًا وثُلث استار باستار بلدنا وهٰذا لا يصلح للاعتماد والتعويل عليه وان اعول بعض علماء عصرنا لانه اشتبه صاع عمر رضى الله عنه فى زمن الحجاج وقد قرب ذٰلک الزمان من عهد النبى صلّى الله عليه وسلم فكيف يعتمد على صاع أتى به فى هٰذا العصر وقد تطاول الزمان وتغير المكائيل والصيعان." (حماديه ج:۱ ص:۴۳)

''شرح ہدایہ میں ہے کہ ابراہیم بن عبداللہ تاجر ملتانی نے جب وہ سن چھ سو چورانوے (۶۹۴ھ) ہجری میں مکہ معظمہ حاضر ہوئے تو درہم بوزن سبعہ (جو تمام احکامِ شرعیہ میں معتبر ہے) اور مثقال اور صاع اور مد کی تحقیق میں بڑی کوشش کی، اور مکہ معظمہ سے ایک ایک درہم اور مثقال اور صاع اور مد لے کر آئے پھران کا وزن کیا اور دہلی کی ٹکسال میں ان کو محفوظ کرادیا، چنانچہ درہم شرعی تین ماشہ اور سوا چار جو کی برابر، اور مثقال شرعی دہلی کے مروّجہ درہم سے ایک درہم اور پانچواں حصہ درہم اور نصف جو اور دسواں حصہ جو کا ہوا، اور مد تین استار اور ایک تہائی استار ہمارے بلدہ (دہلی) کے استار کے حساب سے، اور صاع تیرہ استار اور تہائی استار ہمارے بلدہ کے اعتبار سے، مگر یہ (صاع و مد کا وزن)

قابل اعتماد نہیں اگرچہ بعض علماء نے اس پر بھی اعتماد کیا ہے،
وجہ بے اعتمادی کی یہ ہے کہ حجاج کے زمانہ میں حضرت عمر
رضی اللہ عنہ کا صاع مشتبہ ہوگیا تھا، حالانکہ یہ زمانہ عہدِ نبوّت
سے بالکل قریب تھا، تو آج اُس صاع پر کیسے اعتماد ہوسکتا
ہے جو اس قدر زمانہ طویل کے بعد وہاں سے لایا گیا اس
مدت میں معلوم نہیں وہاں کے کیل اور صاع میں کیا کیا
تغیرات ہوئے ہوں گے۔"

اس میں صاحبِ حمادیہ کا یہ کہنا تو صحیح ہے کہ ان اوزان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ عہدِ نبوی سے بُعد کی وجہ سے تغیر تبدل کے امکانات بہت ہیں، لیکن یہاں صرف یہی بنیاد نہیں بلکہ فقہائے سابقین کی شہادات موجود ہیں، اس لئے تائید کے درجہ میں اس کو بھی لیا جائے تو کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔

شیخ ابراہیم تاجر ملتانی کی تحقیق جو ساتویں صدی ہجری میں بڑے اہتمام سے کی گئی ہے یہ بھی درہم و مثقال کے وزن میں بعینہٖ وہ ہے جو حضراتِ دہلی اور جمہور علمائے ہند کی تحقیق ہے، کیونکہ میں درہم کا وزن تین ماشہ اور سوا چار جو بیان کیا ہے، اور جمہور نے تین ماشہ ایک رتی اور خمس رتی لکھا ہے، سو $\frac{1}{4}$۴ جو کی ایک رتی اور خمس رتی ہونا ظاہر ہے، اسی طرح مثقال کا وزن دہلی کا ایک درہم پورا اور پانچواں حصہ درہم اور ایک نصف اور ایک عُشر جو کا ہے، اور دہلی کا درہم اس وقت چار ماشہ کا تھا، جیسا کہ فتاویٰ حمادیہ میں عبارتِ مذکورہ سے پہلے اس کی تصریح بالفاظِ ذیل موجود ہے:-

"ودرهم بلدنا اعني حضرة دهلي اربعة
وستون شعيرًا لأنه اربع ماهجة وكل ماهجة ستة
عشر شعيرًا." (ص:٤٢)

"اور درہم ہمارے شہر یعنی دہلی کا چونسٹھ جو کا ہے
کیونکہ درہم چار ماشہ کا ہے اور ہر ماشہ سولہ جو کا ہے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ مثقال کا وزن ماشہ رتی کے حساب سے چار ماشہ اور چھ رتی تقریباً ہوتا ہے، اس میں متاخرین دہلی کی تحقیق سے صرف دو رتی زائد ہیں، اور علمائے لکھنؤ کی تحقیق سے یہ اور بھی زیادہ ابعد ہے، اور بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہٗ جن کی وفات ۱۲۲۵ھ کی ہے، اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہٗ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، اور حضرت شاہ صاحب نے ہی ان کو "بیہقی وقت" کا خطاب دیا ہے، اور اپنے زمانہ میں حکومت کی طرف سے قاضی بھی رہے ہیں، ان کی کتاب مالابدمنہ میں ہے:-

"نصاب زربست مثقال است کہ ہفت ونیم تولہ
باشد ونصاب سیم دوصد درہم ست کہ پنجاہ وشش روپیہ سکہ
دہلی وزن آں می شود۔" (مالابدمنہ ص:۹۱)

اور حضرت نواب قطب الدین صاحب دہلوی شارح مشکوٰۃ ۱۲۵۴ھ میں اپنی کتاب مظاہر حق میں تحریر فرماتے ہیں:-

"درہم تین ماشہ ایک رتی اور پانچواں حصہ رتی کا

ہوتا ہے، پس دوسو درہم میں چاندی چھ سوتیس ماشہ ہوتی ہے اور ان پر زکوٰۃ کے پانچ درہم ہیں، اور پانچ درہم میں چاندی ہے پندرہ ماشہ چھ رتی، پس اگر روپیہ ہیں بارہ بارہ ماشہ کے جیسے کلدار سیدھی کل کے اور ڈبل اور تپلی دار تو چھ سوتیس ماشہ کے ساڑھے باون روپیہ ہوئے، اور اس پر زکوٰۃ کا ہوا ایک روپیہ بارہ ماشہ کا اور پانچ آنہ، اور اگر روپیہ ہیں ساڑھے گیارہ ماشہ کے مثلاً لکھنؤ وغیرہ کے تو چوّن روپیہ بارہ آنہ چھ پائی اور چھ جزو تیئیس پائی کے میں سے ہوئے، ان پر ایک روپیہ ساڑھے گیارہ ماشہ کا اور پانچ آنہ دس پائی اور بائیس جز تیئیس جزو پائی کے میں سے زکوٰۃ ہوئی حسبِ تفصیل ذیل:-

شمار درہم تعیّن زکوٰۃ وزن چاندی تعیّن زکوٰۃ سکہ بارہ ماشہ کا زکوٰۃ

۲۰۰ درہم ۵ درہم ۶۳۰ ماشہ ۱۵ ماشہ ۶ سرخ صہ $\frac{۵۲}{۱۸}$ عہ /۵

سکہ $۱۱\frac{۱}{۲}$ کا زکوٰۃ

للعہ $\frac{۵۴}{۱۲}$ $۶\frac{۶}{۲۳}$ عہ /۱۰ $\frac{۲۲}{۲۳}$ پائی۔

(الیٰ قولہ) اور نصاب اس کی (یعنی سونے کی) بیس مثقال یہاں کے حساب سے ساڑھے سات تولہ بھر ہوتے ہیں۔" (مظاہر حق ج:۲ ص:۱۰۸)

اور شیخ محمد قائم سندھی کے رسالہ مصباح منیر میں شیخ عیسیٰ سندھی برہان پوری شطاری کے رسالہ مفتاح الصلوٰۃ سے نقل کیا ہے:-

''مقدار صدقہ فطر نصف صاع است کہ عبارت از چہار رطل باشد وآں دو سیر شاہ جہانی میشود چوں از گندم یا آرد یا ساتو باشد ویک صاع بدہد اگر از خرما یا جو باشد و وجوب آں بر صاحبِ نصاب است یعنی ہر کہ پنجاہ و دو نیم تولہ نقرہ یا بہائے آں سوائے مسکن بودن و پارچہ پوشیدن داشتہ باشد انتہی۔''

نیز علامہ ہداد نے حاشیہ ہدایہ میں شرح کنز کے حوالہ سے نقل کیا ہے:-

"لان التولجة فی اصطلاحنا اثنا عشرة ماهجة وكل ماهجة ثمان حبات فعلیٰ هٰذا یکون نصاب الفضة بوزن بلادنا اثنین وخمسین تولجة وربع تولجة وست حبات، ونصاب الذهب بوزن بلادنا سبع تولجات ونصف تولجة هٰذا هو التحقیق فی هٰذا الباب."

''اس لئے کہ تولہ ہماری اصطلاح میں بارہ ماشہ کا، اور ماشہ آٹھ رتی کا ہے، اس بناء پر چاندی کا نصاب ہمارے بلاد (ہندوستان وغیرہ) میں سوا باون تولہ چھ رتی ہے، اور سونے کا نصاب ہمارے بلاد کے وزن میں ساڑھے سات

تولہ ہے، اس معاملہ میں تحقیق سے یہی ثابت ہوتا ہے۔"

اور مصباح منیر میں یہی تحقیق مولانا معین الدین عمرانی کی حاشیہ کنز سے نقل کی ہے، نیز شرح صراطِ مستقیم فصل زکوٰۃ سے نقل کیا ہے:-

درہم مبلغ آن بحساب تولہ پنجاہ و دو تولہ باشد۔ وبست مثقال زر بوزنِ ایں دیار ہفت و نیم تولچہ بود انتہی۔ اقول الصواب ان یقول فی نصاب الفضۃ پنجاہ و دو نیم تولچہ باشدہ آہ۔ نیز مصباح منیر فصل سادس میں ہے کہ ہمارے ملک میں غیر مسلموں سے جو درہم بطورِ جزیہ لئے جاتے تھے اور ان پر درہم شرعی لکھا ہوا تھا، ہم نے ان کا وزن کیا تو تین ماشہ اور آٹھواں حصہ ماشہ کا اور پانچواں حصہ رتی کا پایا، جس سے اس قول کی تائید ہوئی کہ مثقال ½ ۴ ماشہ کا ہوتا ہے۔

اَطبّاءِ ہندوستان کی تحقیق

اشرف الحکماء جناب حکیم محمد شریف خاں دہلوی جو تیرہویں صدی کے اوائل میں ہندوستان کے نامور امامِ طب مانے گئے ہیں، ان کی کتاب علاج الامراض فارسی کے آخر میں اوزان کی بحث پر ایک مستقل فصل ہے، جس کے آخر میں وہ تحریر فرماتے ہیں:-

"اوزانے کہ دریں بلاد متعارف است بدیں طریق ست کہ از چہار خردلہ ایک برنج اعتبار می کنند واز چہار برنج یک جو از دو جو یک رتی و از ہشت رتی یک ماشہ و از سہ و نیم ماشہ یک درہم و از چہار و نیم ماشہ یک مثقال و از

دوازدہ ماشہ ایک تولہ و از چہاردہ ماشہ یک دام عالمگیری واز
بست و یک ماشہ یک دام پختہ واز سی دام پختہ یک سیر اکبری
واز چہل دام پختہ یک سیر شاہجہانی واز چہل و چار دام پختہ
یک سیر عالمگیری واز چہل و ہشت دام پختہ یک سیر فرخ
شاہی کہ بالفعل مروج ست، واللہ اعلم بالصواب۔''

(علاج الامراض فارسی ص:۳۷۲)

اس تحقیق میں بھی درہم و مثقال تقریباً وہی اوزان ہیں جو قدیم علمائے ہندوستان کی تحقیق ہے، اگرچہ رتی کا وزن دو جو بتلایا گیا ہے مگر یہ ممکن ہے کہ اس وقت جو بڑے ہوں یا تحقیق کرنے والے کے سامنے بڑے آئے ہوں۔ علاوہ ازیں اس سے اتنا تو بدرجۂ اُولیٰ معلوم ہوا کہ ایک رتی چار جو کی نہیں ہے۔

(ف) اس تحقیق میں ہندوستانی سیر کے اوزانِ مختلفہ بھی ضبط میں آگئے جو بحساب تولہ حسبِ ذیل نکلتے ہیں، اس کے ساتھ موجودہ وقت کے سیر بھی کچھ لکھ دیئے گئے:-

سیر اکبری	سیر شاہجہانی	سیر عالمگیری	سیر فرخ شاہی	سیر انگریزی
۵۲½ تولہ	۷۰ تولہ	۷۷ تولہ	۸۴ تولہ	۸۰ تولہ

مخزن میں درہم و مثقال کا وزن اس سے متفاوت لکھا ہے، لیکن وہ تفاوت غالباً اس پر مبنی ہے کہ تولہ دہلی اور بنگال کا متفاوت ہے، دہلی کے بارہ ماشہ اور بنگال کے دس برابر ہیں، جیسا کہ خود مخزن میں اس کی تصریح موجود ہے، تولہ کا وزن متفاوت ہونے سے ماشہ میں اس کے تفاوت سے درہم و مثقال میں فرق ہوجاتا ہے۔

اہلِ لغت کی تحقیق

ہفت قلزم:- جس کے مصنف ہندوستان کے مشہور علمائے لغت میں سے ہیں، انہوں نے بھی درہم کا وزن سہ ماشہ و چار جو لکھا ہے۔

غیاث اللغات:- میں بھی درہم کا وزن سہ ماشہ و نیم ماشہ لکھا ہے، اور مثقال کے متعلق لکھا ہے:-

"مثقال بالکسر نام وزنے ست کہ چہار و نیم ماشہ باشد و قرابادین محمد شریف خاں شاہجہاں آبادی اگر چہ دریں اختلاف بسیار کردہ اند مگر اقوی ہمیں ست۔"

یہ تحقیق تو ہندوستان کے علمائے لغت کی ہے اور امام لغت محمد بن یوسف کاتب خوارزمی متوفی ۳۸۷ھ نے اپنی کتاب مفاتیح العلوم میں عرب کے اوزان و مکائیل کی مقداریں بیان فرمائی ہیں، اس کو بھی اس جگہ اہل علم کے فائدہ کے لئے عربی عبارت میں نقل کیا جاتا ہے، وھو ھٰذا:-

مکائیل العرب واوزانها

"القُلة اناء للعرب قال اصحاب الحديث القُلتان خمس قِرَب كبار، الرطل نصف منّ، المن وزن مائتين وسبعة وخمسين درهما وسُبع درهم

وبالمثاقيل مائة وثمانون مثقالا وبالاواقى اربع وعشرون اوقية، المُدّ رطل و ثُلث، الصَّاع اربعة امداد عند اهل المدينة، وثمانية ارطال عند اهل الكوفة، القسط نصف صاع، الفرق ثلٰثة اصوع، الوسق ستون صاعا، قال الخليل الوسق هو حمل البعير فاما الوقر فحمل البَغَل او الحمار، المثقال زنة درهم وثلٰثة اسبَاع درهم، الاوقية على وزن أُثفية وجمعها اواق زنة عشرة دراهم وخمسة اسبَاع درهم، والاوقية فى الدهن عشرة دراهم، الاستار رُبع عشر منّا، والكُرّ بالعراق بالكوفة وبغداد ستون قفيزا، وكل قفيز ثمانية مكاكيک، وكلّ مكوک ثلٰث كيالج، والكيلجة وزن ستمائة درهم وبواسط والبصرة مائة وعشرون قفيزا، وكلّ قفيز اربعة مكاكيک.

وكلّ مكوک خمسة عشر رطلا وكلّ رطل مائة وثمانية وعشرون درهما. انتهى."

اس تمام بحث وتفتیش کا حاصل یہ تھا کہ درہم اور مثقال کا صحیح وزن تولہ اور ماشہ سے کیا ہے؟ اس کے بعد اصل مقصود کو دیکھنا چاہیے کہ چاندی سونے کا نصاب کیا ہوا؟ اور صدقۃ الفطر کی مقدار کیا ہوئی؟ جس کی تفصیل یہ ہے:-

چاندی سونے کا صحیح نصاب

جبکہ یہ متفق علیہ ہے کہ چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے، اور تحقیقِ مذکور سے ثابت ہوگیا کہ ایک درہم کا وزن تین ماشہ ایک رتی اور ایک پانچواں حصہ رتی کا ہے، تو حساب نکالنے سے واضح ہوگیا کہ چاندی کا نصاب باون تولہ چھ ماشہ ہے اور چونکہ رائج الوقت روپیہ ہمارے زمانہ میں ساڑھے گیارہ ماشہ کا ہے تو روپیہ سے چوّن[۵۴] روپیہ بارہ آنے چھ صحیح چھ بٹہ تیئس پائی ($\frac{۶}{۲۳}$ ۶ پائی) نصاب زکوٰۃ ہوا۔

اسی طرح یہ بھی مسلّم ہے کہ سونے کا نصاب شرعی بیس[۲۰] مثقال ہیں اور تحقیقِ مذکور سے ثابت ہوچکا ہے کہ مثقال کا وزن ساڑھے چار ماشہ ہے، تو نصاب سونے کا تولہ کے حساب سے ساڑھے سات تولہ ہوگیا جیسا کہ تیرہویں صدی کے بزرگانِ دہلی نے تحریر فرمایا ہے، اور شیخ بہاء الدین تاجر ملتانی کی تحقیق کے موافق تقریباً چالیس رتی یعنی پانچ ماشہ اور زائد ہوجاتی ہیں، یعنی سات تولہ گیاہ ماشہ سونا نصاب زکوٰۃ ہوا، سو احتیاط اسی میں ہے کہ ساڑھے سات تولہ کو نصاب سمجھ کر اس پر زکوٰۃ دی جائے اور جو شخص ساڑھے سات تولہ سونے کا مالک ہو اس کو مصرفِ زکوٰۃ نہ سمجھا جاوے۔

فائدہ:- درہم شرعی کا جو وزن اوپر بیان کیا گیا ہے کہ تمام احکام و معاملاتِ شرعیہ میں جہاں کہیں درہم بولا گیا ہے، یہی درہمِ شرعی مراد ہوگا، اس لئے عورت کے مہر کی کم سے کم مقدار جو حنفیہ کے نزدیک دس درہم ہے، دو تولہ

ساڑھے سات ماشہ چاندی ہوئی، اور مہرِ فاطمی جس کی مقدارِ منقول پانچ سو درہم ہیں (کما فی عامة روایات الحدیث) اس کی مقدار موجودہ روپے سے ایک سو اکتیس[۱۳۱] تولہ تین ماشہ ہوئی۔

صاع کا وزن اور صدقۃ الفطر کی مقدارِ صحیح

یہ تو مسلّم اور متفق علیہ ہے کہ صدقۃ الفطر کی مقدار گندم سے نصف صاع، اور جو سے ایک صاع ہے، اور یہ بھی حنفیہ کے نزدیک طے شدہ ہے کہ صاع سے صاعِ عراقی مراد ہے اور ایک صاعِ عراقی آٹھ رطل کا ہوتا ہے، پھر صاع اور رطل کا وزن تولہ ماشہ کے حساب سے معلوم کرنے کے لئے چند طریق ہیں۔

اوّل بذریعہ مثقال

حسبِ تصریحِ فقہاء جس کا حوالہ ابتداء میں گزر چکا ہے، ایک رطل نوّے مثقال کا اور نوّے کو آٹھ میں ضرب دی گئی تو سات سو بیس[۷۲۰] مثقال صاع کا وزن ہوگیا، اور تحقیقِ مذکور سے ثابت ہوگیا کہ ایک مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہے تو پورا صاع تین ہزار دو سو چالیس[۳۲۴۰] ماشہ یعنی دو سو ستر[۲۷۰] تولہ کا، اور نصف صاع ایک سو پینتیس[۱۳۵] تولہ کا ہوگیا جو اسّی[۸۰] تولہ کے انگریزی سیر کے حساب سے تین سیر چھ چھٹانک کا پورا صاع اور ڈیڑھ سیر تین چھٹانک کا نصف صاع ہوا۔

دوسرا طریقہ بذریعہ درہم

حسبِ تصریح درمختار وغیرہ کامل صاع ایک ہزار چالیس درہم کا ہے اور

درہم حسبِ تحقیقِ مذکور تین ماشہ ایک رتی اور $\frac{1}{5}$ رتی کا ہے، تو پورا صاع دوسو تہتر تولہ ہوگیا اور نصف صاع ۱۳۶ تولہ ۶ ماشہ کا ہوا، یعنی ۸۰ تولہ کے انگریزی سیر سے پورا صاع تین سیر چھ چھٹانک تین تولہ ہوگیا، اور نصف صاع ڈیڑھ سیر تین تولہ ہوا، ان دونوں حسابوں میں پورے صاع پر تین تولہ کا اور نصف صاع پر ڈیڑھ تولہ کا فرق آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جس نے صاحبِ درمختار کے موافق درہم سے حساب کیا تو دوسو تہتر (۲۷۳) تولہ کا صاع نکلا، اور جس نے شارحِ وقایہ صدر الشریعہ کے موافق مثقال سے حساب لگایا تو دوسوستر (۲۷۰) تولہ نکلا۔

تیسرا طریقہ بذریعہ مُدّ

مد بضم المیم بھی ایک پیمانہ کا نام ہے، اور حسبِ تصریح شامی وغیرہ ایک صاع چار مد کا ہوتا ہے، پھر مد کا وزن ہندوستانی اوزان کے حساب سے معلوم کرنے کے لئے چند صورتیں ہیں۔ اوّل ان علماء کے اقوال جنھوں نے مُد کو گندم وغیرہ سے بھر کر پھر وزن کیا اور اپنی تحقیق لکھی، اس میں ایک تو وہی قول ہے جو شیخ بہاء الدین تاجر ملتانی کے واقعہ میں بحوالہ حمادیہ گزر چکا ہے، اس میں ایک مد تین اِستار اور ایک تہائی استار کا، اور صاع کو تیرہ اِستار اور ایک تہائی اِستار کا بوزن دہلی قرار دیا ہے، لیکن چونکہ دہلی کے اِستار کا وزن معلوم نہیں اس لئے یہ صورت کافی نہیں ہوتی، دوسرے سیّدی وسندی حکیم الامت مجدد الملّت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کے رسالہ ''الطرائف والظرائف'' حصہ دوم ص:۱۲ میں ہے:-

ایک مُد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب (نانوتویؒ) اوّل صدر مدرس دارالعلوم دیوبند کے پاس تھا، جس کی مسلسل سند حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے مُد تک (جو انہوں نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مُد سے ناپ کر بنایا تھا) پہنچتی ہے۔ اس کو حضرت مولانا تھانوی قدس سرہٗ نے دو مرتبہ بھر کر وزن کیا (کیونکہ نصف صاع دو مُد کا ہوتا ہے) تو ۸۸ تولہ کے سیر سے ۱ $\frac{1}{2}$ سیر ۱ $\frac{1}{2}$ چھٹانک ہوا تھا۔ (الطرائف ص:۱۲)

اس حساب سے پورے صاع کا وزن دوسو اسّی (۲۸۰) تولہ چھ ماشہ اور نصف صاع کا ایک سو چالیس (۱۴۰) تولہ تین ماشہ ہوتا ہے۔ اور علامہ شامی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ ایک مد دوسو ساٹھ (۲۶۰) درہم کی برابر ہوتا ہے، اور دوسو ساٹھ درہم کا وزن تحقیقِ مذکور کے موافق آٹھ سو انیس (۸۱۹) ماشہ یعنی اڑسٹھ (۶۸) تولہ تین ماشہ ہوتا ہے، اور چونکہ پورا صاع چار مد کا ہے تو اس کو چار میں ضرب دینے سے پورے دوسو تہتر (۲۷۳) تولہ وزن صاع کا نکل آیا، اور نصف صاع ایک سو چھتیس (۱۳۶) تولہ چھ ماشہ کا ہوا، اور یہ بعینہٖ وہ حساب ہے جو اوپر بذریعہ درہم بیان کیا گیا ہے۔

چوتھا طریقہ بذریعہ اِستار

اس کے متعلق بحوالہ شامی گزر چکا ہے کہ ایک مد یا ایک من یا دو رطل (کیونکہ یہ تینوں چیزیں ہم وزن ہیں) چالیس استار کے برابر ہیں، اور ایک استار ساڑھے چھ درہم یا ساڑھے چار مثقال کی برابر ہے، اب اگر درہم سے حساب استار کا لگایا جائے اور پھر اس سے مد وغیرہ کا تو چالیس استار کے دوسو ساٹھ (۲۶۰)

درہم ہوتے ہیں، اور دوساٹھ[٢٦٠] درہم کے اڑسٹھ[٦٨] تولہ تین ماشہ ہوتے ہیں جو ایک مد یا دو رطل کا وزن ہے، اور جب پورا صاع معلوم کرنے کے لئے اس کو چار میں ضرب دی گئی تو وہی دو سو تہتر[٢٧٣] تولہ کا حساب آگیا، اور اگر استار کا حساب مثقال سے کیا جائے تو چالیس استار کے ایک سو اسّی[١٨٠] مثقال ہوئے، جس کے آٹھ سو دس[٨١٠] ماشہ یعنی ساڑھے سڑسٹھ[٦٧] تولہ ہوگئے، اس کو پورا صاع بنانے کے لئے چار میں ضرب دی تو دو سو ستر[٢٧٠] تولہ ہوگئے، یہ بعینہٖ وہی حساب ہے جو سب سے پہلے بذریعہ مثقال بیان کیا گیا ہے۔

الغرض صاع کو اوزانِ ہندیہ تولہ، ماشہ کی طرف منتقل کرنے کے چار طریقے جو اُوپر مذکور ہوئے ان سب کا نتیجہ یہ ہے کہ جس حساب میں کسی جگہ مثقال سے حسب لگایا گیا تو دو سو ستر[٢٧٠] تولہ کا صاع آتا ہے، اور جس جگہ درہم سے حساب لگایا تو دو سو تہتر[٢٧٣] تولہ کا۔ فقہاء کی تصریحاتِ مذکورہ میں اُلٹ پلٹ کر یہی دو صورتیں نکلتی ہیں جن میں پورے صاع پر صرف تین تولہ کا اور نصف صاع پر ڈیڑھ تولہ کا فرق آتا ہے، صرف وہ حساب جو بحوالہ طرائف دو مد کے وزن کا لکھا گیا ہے اس سے دو سو اسّی[٢٨٠] تولہ چھ ماشہ کا صاع معلوم ہوتا ہے، جس میں ساڑھے دس تولہ کا پورے صاع پر، اور سوا پانچ تولہ کا نصف صاع پر فرق آتا ہے، اس طرح پر تین حساب تھوڑے فرق سے حاصل ہوگئے۔

اوّل:- بذریعہ مثقال پورا صاع دو سو ستر[٢٧٠] تولہ، نصف صاع ایک سو پینتیس[١٣٥] تولہ۔

دوم:- بذریعہ دراہم پورا صاع دوسوتہتر[۲۷۳] تولہ، نصف صاع ایک سوچھتیس[۱۳۶] تولہ چھ ماشہ۔

سوم:- بذریعہ مد حضرت مولانا محمد یعقوبؒ پورا صاع دوسواسّی[۲۸۰] تولہ چھ ماشہ، نصف صاع ایک سوچالیس[۱۴۰] تولہ تین ماشہ۔

ان میں سے جس حساب کو بھی اختیار کرلیا جاوے صدقہ فطرادا ہوجائے گا، لیکن آخری حساب میں چونکہ زیادتی ہے اس لئے اس کے موافق ادا کرنے میں زیادہ احتیاط ہے، اور جب تولہ ماشہ کے حساب سے صاع اور نصف صاع کا وزن معلوم ہوگیا تو اپنے اپنے شہروں کے سیر اور چھٹانک کا حساب لگالینا سہل ہے، لیکن چونکہ عام طور پر انگریزی سیر اسّی[۸۰] تولہ کا رائج ہوگیا ہے اور ہمارے بلاد میں عموماً صدقۃ الفطر گیہوں سے دیا جاتا ہے، اس لئے اس کا حساب بالتصریح لکھ دینا مناسب ہوا۔

گندم سے صدقۃ الفطر کی مقدارِ واجب نصف صاع ہے، اور نصف صاع پہلے حساب سے اسّی[۸۰] تولہ کے سیر سے ڈیڑھ سیر تین چھٹانک کا ہوا، اور دوسرے حساب سے ڈیڑھ سیر تین چھٹانک ڈیڑھ تولہ، اور تیسرے حساب سے پونے دوسیر تین ماشہ ہوا، جن میں زائد سے زائد سوا پانچ تولہ کی زیادتی ہے، اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ اسّی[۸۰] تولہ کے سیر سے پونے دوسیر گندم ایک صدقۃ الفطر میں نکالے جاویں۔

تنبیہ

مولانا لکھنویؒ نے جو وزن صاع کا ایک سیر پندرہ تولہ قرار دیا ہے، جہاں تک احقر نے تفتیش کی وہ کسی حساب سے درست نہیں نکلا، اور وجہ (۱) اس مغالطہ کی وہی معلوم ہوتی ہے جو وزنِ درہم کی تحقیق میں عرض کی گئی ہے کہ صرف ایک رتی کو جو کے ساتھ تولا گیا اس میں خفیف سا فرق محسوس نہ ہوا۔

پھر چار جو کی رتی قرار دے کر محض حساب کے ذریعہ اس کو صاع تک پہنچایا گیا، ستّر جو کو ایک مرتبہ وزن کرلیا جاتا تو یہ مغالطہ باقی نہ رہتا، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم!

اصل مقصود اس تحریر کا اتنا ہی تھا کہ سونے چاندی کی نصاب زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر کی مقدار کی تحقیق ہوجاوے، لیکن جبکہ درہم و مثقال کے وزن کی تحقیق ہوگئی اور عام طور سے جو اوزان کتبِ فقہ میں ذکر کئے جاتے ہیں وہ درہم و مثقال ہی کی طرف عود کرتے ہیں، اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ جس قدر الفاظ کتبِ فقہ میں دربارۂ اوزان مستعمل ہیں ان سب کے اوزان تولہ ماشہ کے حساب سے لکھ دیئے جاویں تاکہ فقہاء کی مراد کو اپنے رائج الوقت وزن کے

---

(۱) یہ بھی ممکن ہے کہ مولاناؒ نے دوسرے ائمہ کے موافق صاعِ عراقی کے بجائے صاعِ حجازی اختیار فرمایا ہو جو آٹھ کے بجائے پانچ رطل سے کچھ زائد کا ہوتا ہے، مگر جمہور حنفیہ نے چونکہ صاعِ عراقی کو ہی ان معاملات میں اختیار کیا ہے، اس لئے ہم نے حساب اُسی کا لگایا ہے، واللہ اعلم! محمد شفیع

مطابق سمجھنے میں دشواری پیش نہ آئے، اس لئے ان سب کو ایک جدول کی صورت میں لکھ دیا گیا ہے۔

واللہ الموفق والمعین

نقشہ رائج الوقت اوزان کے مطابق

اَوزانِ فقہیہ	اَوزانِ ہندیہ	کیفیت
طسوج	تقریباً پون رتی	اصل یہ ہے کہ طسوج دو جو کا ہے اور ایک رتی ۳ جو سے کچھ کم ہے (بحرالجواہر)
قیراط	۱ ۴/۵ رتی یعنی تقریباً پونے دو رتی	حسبِ تصریح فقہاء ایک قیراط ۵ جو اور ۱۴ قیراط کا ایک درہم ہے، درہم ۲۵ ۱/۵ رتی کا ہے، اس حساب سے قیراط ۱ ۴/۵ رتی کا ہوا۔
دانق یا دانگ	تقریباً ۷ ۱/۵ رتی	اصل یہ ہے کہ دانق ۴ قیراط ہے، کما فی بحرالجواہر، اور ایک قیراط ۱ ۴/۵ رتی ہے، تو ۴ قیراط ۷ ۱/۵ رتی کے ہوئے۔
درہم	۳ ماشہ ایک رتی اور ۱/۵ رتی کا	۷۰ جو درہم کا وزن حسبِ تصریح فقہاء ہے، ماشہ سے وزن کیا گیا تو یہی وزن آتا ہے۔
مثقال	۴ ماشہ ۴ رتی	مثقال کا وزن حسبِ تصریح فقہاء ۱۰۰ جو ہے، ہمارے اوزان سے بھی یہی آتا ہے۔
رطل	۳۴ تولہ ڈیڑھ ماشہ	حسبِ تصریح شامی وغیرہ رطل کا وزن ۱۳۰ درہم ہے جس کا وزن بحسابِ تولہ یہی نکلتا ہے۔

اَوزَانِ فقہیہ	اَوزَانِ ہندیہ	کیفیت
مد	۶۸ تولہ ۳ ماشہ	حسبِ تصریح شامی وغیرہ مد کا وزن ۲۶۰ درہم ہے جس کا وزن بحسابِ تولہ یہی نکلتا ہے۔
من	۶۸ تولہ ۳ ماشہ	حسبِ تصریح شامی وغیرہ من کا وزن بھی ۲۶۰ درہم ہے جس کا وزن بحسابِ تولہ یہی نکلتا ہے۔
استار	بحسابِ درہم ایک تولہ ۸ ماشہ ۳ ۴/۵ رتی بحسابِ مثقال ایک تولہ ۸ ماشہ ۲ رتی	حسبِ تصریح شامی ایک استار ساڑھے ۶ درہم ہے اور اس کا وزن یہی نکلتا ہے۔ حسبِ تصریح شامی ایک استار ساڑھے ۴ مثقال ہے جس کا وزن ایک تولہ ۸ ماشہ دو رتی ہے۔
اوقیہ	ساڑھے دس تولہ	اوقیہ کا وزن درہم سے حسبِ تصریح فقہاء ۴۰ درہم ہے جس کا ہندی وزن یہی نکلتا ہے۔
صاع	بحسابِ درہم ۲۷۳ تولہ بحسابِ مثقال ۲۷۰ تولہ	اس کی مفصّل تحقیق اصل رسالہ میں گزر چکی ہے ایضاً
نصف صاع	بحسابِ مثقال ۱۳۵ تولہ بحسابِ درہم ۱۳۶ تولہ ۶ ماشہ	اس کی مفصّل تحقیق اصل رسالہ میں گزر چکی ہے ایضاً

اَوزَانِ فقہیہ	اَوزَانِ ہندیہ	کیفیت
وسق	بحسابِ مثقال ۵ من اڑھائی سیر ۸۰ تولہ کے سیر سے	صاع کا وزن جو اوپر مذکور ہوا اس سے حساب لگایا گیا ہے۔
	بحسابِ درہم ۵ من پونے ۵ سیر ۸۰ تولہ کے سیر سے	کیونکہ ایک وسق حسبِ تصریح فقہاء ۶۰ صاع کا ہے۔

خاتمہ:- یہ رسالہ ۵/ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ کو تھانہ بھون میں شروع کیا تھا، ۷/ذیقعدہ کو وہاں سے واپسی ہوگئی، رسالہ درمیان میں رہ گیا، اتفاقاً ۱۱/ذیقعدہ کو پھر قصبہ شاملی ضلع مظفرنگر میں مدرسہ اشرفیہ کے سالانہ جلسہ کی تقریب پر آنا پڑا اور یہاں کچھ وقت مل گیا تو بعونہٖ تعالیٰ رسالہ کی تکمیل ہوگئی، حق تعالیٰ مفید و نافع اور شبہات کے دافع فرمائے۔

اللّٰھم آمین، وقد تم بعد السبت لاثنی عشر خلت من ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ، اور شعبان ۱۳۷۹ھ میں نظر ثانی اور کچھ اضافات ہوئے۔

والحمد للہ الذی بعزتہٖ وجلالہٖ تتم الصالحات

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

العبد الضعیف

محمد شفیع الدیوبندی عفا اللہ عنہ

خادم دارالافتاء بدارالعلوم الدیوبندیہ سابقاً

ضمیمہ

مساحاتِ شرعیہ در پیمانہائے ہندیہ

ذراع:- عرب میں دو قسم کے ذراع مستعمل تھے، ایک ذراع کرباس (کپڑے ناپنے کا گز)، دوسرا ذراع مساحت (زمین وغیرہ ناپنے کا گز)۔ ذراع مساحت حسبِ تصریح قاضی خان وغیرہ سات مشت (مٹھی) ہیں جن میں ہر ایک مٹھی کے ساتھ انگوٹھا کھڑا ہو (کذا فی البحرالرائق ص:۱۸ بحث المیاہ)، اور یہ مٹھی جس پر انگوٹھا کھڑا ہو آج کل کی پیمائش کے حساب سے چھ انچ ہوتی ہے کیونکہ اس طرح کی دو مٹھی کا فٹ قرار دیا جاتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ ذراع مساحت ساڑھے تین فٹ یا بیالیس انچ کا ہوتا ہے جو انگریزی گز سے چھ انچ زیادہ ہے، لیکن فقہاء کے کلام میں عموماً جس جگہ ذراع کا لفظ بولا گیا ہے ذراع مساحت مراد نہیں بلکہ ذراعِ کرباس مراد ہوتا ہے، اور بعض مواضع میں فقہاء کا اختلاف بھی رہا ہے کہ بعض نے اس میں ذراع کرباس مراد لیا، بعض نے ذراع مساحت، جیسا کہ ماء (پانی) کثیر کی بحث اور دہ در دہ کی تعیین میں قاضی خان نے ذراع مساحت کو اختیار کیا ہے، لیکن جمہور فقہاء صاحبِ ہدایہ اور عامہ متون

وشروح نے اس جگہ بھی ذراع کرباس ہی کو صحیح قرار دیا ہے، اور ذراع کرباس بھی دو قسم کا مشہور ہے۔ متقدمین میں ۳۲ انگشت کا ذراع معروف ہے، اور متاخرین میں ۲۴ انگشت کا، انگشت سے مراد یہ ہے کہ ۴ انگلیاں ملاکر رکھی جاویں اور انگوٹھا ان کی ساتھ شامل نہ کیا جائے، پھر چار ان کی برابر اور پھر اسی طرح ۴ یہاں تک کہ ۳۲ یا ۲۴ ہوجاویں۔ اور چونکہ ایک مشت (مٹھی) بھی ۴ انگشت کی ہوتی ہے، اس لئے متقدمین کا ذراع آٹھ مشت (مٹھی) اور متاخرین کا چھ مشت کا ہوگا۔ عامہ کتب مذہب متون وشروح اور فتاویٰ میں متاخرین کا ذراع مستعمل ہے، اسی پر حساباتِ شرعیہ قائم کئے گئے ہیں، یعنی ۶ مشت یا ۲۴ انگشت کا ایک ذراع۔ وذالک لما فی تیمم الهندية بعد قوله اقرب الاقوال كل ذراع اربع وعشرون اصبعًا وعرض كل اصبع ست حبات شعير ملصقة ظهرًا لبطن هكذا في التبيين (عالمگیری مصری ج: ۱ ص: ۲۸). وفی میاه البحر الرائق اختلف المشائخ في الذراع علىٰ ثلٰثة اقوال ففي التجنيس المختار ذراع الكرباس واختلف فيه ففي كثير من الكتب انه ست قبضات ليس فوق كل قبضة اصبع قائمة فهو اربع وعشرون اصبعًا بعدد حروف: لا اله الا الله محمد رسول الله. والمراد بالاصبع القائمة ارتفاع الابهام كما في غاية البيان (بحر ج: ۱ ص: ۸۰). ومثله في تيمم البحر عن الينابيع وذكر انه ذراع العامة وفي حاشية البحر للشامي هناک انه هو المعول وعزاه الى الرملي صاحب الخيرية. (بحر ج: ۱ ص: ۱۴۷).

عباراتِ مرقومہ بالا سے واضح ہوگیا کہ قولِ معتمد فقہاء رحمہم اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ پانی کی مساحت کے متعلق دہ دردہ کے مسئلہ میں ذراع کرباس معتبر ہے اور اس کی صحیح وارجح پیائش ۲۴ انگلیاں یا ۶ مشت ہے، اور یہ بعینہٖ وہ مقدار ہے جس کو ہمارے عرف میں ایک ہاتھ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ مُغرب میں (جس میں خاص فقہ ہی کے لغت جمع کئے گئے ہیں) ہے: "والــذراع مــن الــمرفق الی الاصابع ثم سمی بها الخشبة اللتی یزرع بها (الیٰ قوله) والـذراع الـمكسرة ست قـبـضـات وهی ذراع العامة وانما وصف بـذلک لانهـا نـقصت عن ذراع الملک بقبضة وهو بعض الاكاسرة ولاة فرس وكانت ذراعه سبع قبضات." (مُغرب ج:۱ ص:۱۹۱)

مُغرب کی اس تحریر سے یہ معلوم ہوگیا کہ بحر الرائق بحث المیاہ میں جو قول ولوالجی سے نقل کیا ہے کہ سات مشت کا ایک ذراع ہوتا ہے یہ اس قدیم ذراع کی پیائش ہے جو آخری کسریٰ ملک فارس کا ذراع ہے، اور اسلام میں عام طور پر جو ذراع رائج ہوا وہ ایک مٹھی کم یعنی ۶ مٹھی یا ۲۴ انگلیوں کا ذراع ہے اور یہی معتبر و مستند ہے، اور عرب اور فقہاء کی سذاجت وسادگی کا بھی یہی مقتضیٰ ہے کہ ان کے کلام میں ذراع سے مراد یہی ذراع ہو کیونکہ وہ ذراع طبعی (یعنی ایک ہاتھ) کی صحیح مقدار ہے، اور یہ ذراع انگریزی گز سے نصف یعنی ڈیڑھ فٹ یا ۱۸ انچ ہوتا ہے، جیسا کہ عام طور پر چکرورتی (علم حساب) میں اس کی تصریحات الفاظِ ذیل میں موجود ہیں:۔

۹ انچ: ایک بالشت ۲ بالشت یا ۱۸ انچ: ایک ہاتھ

۲ ہاتھ: ایک گز ایک گز: ۳ فٹ یا ۳۶ انچ

خلاصہ یہ ہے کہ رائج الوقت انگریزی گز اور فٹ کے اعتبار سے:-

ذراع مساحت:- ایک گز ۶ انچ یا ساڑھے تین فٹ یا بیالیس انچ ہے۔

ذراع کرباس:- نصف گز یا ڈیڑھ فٹ یا اٹھارہ انچ ہے۔

اور یہ اُوپر معلوم ہوچکا ہے کہ پانی کے مسائل میں ذراع کرباس معتبر ہے، نیز نمازی کے آگے سُترہ جو ایک ذراع ہونا حسبِ تصریح فقہاء ضروری ہے، اس میں بھی یہی ذراع کرباس معتبر ہے۔

میل:- میل اصل لغتِ عرب میں منتہائے بصر کو کہا جاتا ہے، کما فی الصحاح والمغرب وغیرهما. اور اصطلاحِ فقہاء میں ایک تہائی فرسخ کو میل کہا جاتا ہے، پھر اس کی مقدار میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں۔

اول چار ہزار گز اور یہی قول معتمد ومختار ہے اور عامہ شروح وفتاویٰ میں اسی کو اختیار کیا گیا ہے (كما سيأتي نقله)۔ دوسرے تین ہزار گز یہ قول متقدمین کا ہے، درحقیقت اس کا مدار اس پر ہے کہ متقدمین کا گز بہ نسبت متاخرین کے اسی قدر بڑا ہے کہ ان کے چار ہزار گز ان کے تین ہزار کی برابر ہوتے ہیں، جیسا کہ لفظ ذراع کی تحقیق میں گزر چکا ہے کہ متقدمین کا ذراع بتیس[۳۲] انگشت ہے، اور متاخرین کا چوبیس[۲۴] انگشت کا، جن کا حساب کرنے سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ جو مسافت چوبیس[۲۴] انگشت کے ذراع سے چار ہزار ذراع ہوگی، وہ بتیس[۳۲] انگشت کے ذراع سے تین ہزار ہوجائے گی۔

تیسرا قول وہ ہے جو صاحبِ بحرالرائق نے بحوالہ ینابیع نقل کیا ہے کہ

ایک میل چار ہزار قدم کا ہے اور ایک قدم ڈیڑھ ذراع کا (بذراع عامہ) جس کے حساب سے ایک میل چھ ہزار ذراع کا ہوجاتا ہے، لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ نے حاشیہ بحر کے اسی مقام پر بحوالہ رملی وزیلعی وغیرہ اس قول کو ردّ کردیا ہے کہ معتمد علیہ وہی قول ہے جو زیلعی وغیرہ نے نقل کیا ہے یعنی چار ہزار گز۔ چوتھا قول وہ ہے جو صدر الشریعہ شارح وقایہ نے بلفظ قیل ذکر کیا ہے اور محشّیوں نے اس کو ابن شجاع کی طرف منسوب کیا ہے، وہ یہ کہ میل ساڑھے تین ہزار گز سے چار ہزار گز تک ہے، مراد اس قول کی یہ ہے کہ ساڑھے تین ہزار سے زائد چار ہزار گز تک بھی ایک ہی میل کہا جائے گا، معمولی کمی بیشی کی وجہ سے احکام میں فرق نہ کیا جائے گا، یا یہ اشارہ متاخرین کے اختلاف کی طرف ہے اور بہرحال خود صدر الشریعہ نے اس قول کو بلفظ قیل ذکر کرکے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

الغرض ثابت ہوا کہ قولِ راجح اور مختار اور معتمد یہی ہے کہ میل چار ہزار گز کا ہے جس میں گز متاخرین کا اعتبار کرکے چوبیس انگشت کا قرار دیا گیا ہے جو انگریزی گز سے نصف یعنی اٹھارہ انچ ہے۔ **(وھذہ بعض تصریحات الفقھاء علی اختیارہ) فی تیمم الھندیة اقرب الاقوال ان المیل وھو ثلث الفرسخ اربعة الٰاف ذراع کل ذراع اربعة وعشرون اصبعًا. اھـ**

(عالمگیری ج:۱ ص:۲۸ طبع مصر)

وفی منحة الخالق علی البحر الرائق للشامی، عن الزیلعی والجوھرة ان قدر المیل اربعة الاف ذراع (الیٰ آخرہ) ورأیت فی القلادة الجوھریة ما صورته قال صاحبنا ابوالعباس احمد شھاب

الدين بن الهائم رحمه الله واليه يرجع فى هذا الباب البريد اربعة فراسخ والفراسخ ثلثة اميال والميل الف باع والباع اربعة اذرع والذراع اربعة وعشرون اصبعاً والاصبع ست شعيرات موضوعة بالعرض والشعير ست شعرات بشعر البرزون. اهـ كلامه وهو موافق لما فى الزيلعى وقد نظم ذلک بعضهم فقال:—

ان البريد من الفراسخ اربعٌ
ولفرسخ فثلٰث اميال ضعوا
والميل الف اى من الباعات قل
والباع اربع اذرع تستتبع
ثم الذراع من الاصابع اربع
من بعدها العشرون ثم الاصبع
ست شعيرات فظهر شعيرة
منها الى بطن الأُخرٰى توضع
ثم الشعيرة ست شعرات فقل
من شعر بغل ليس فيها مدفع

اقول فتحصل من هذا كله ان ما نقله الزيلعى هو المعوّل

انتهى كلام الرملى ملخصًا. (حاشية البحر الرائق ج:۱ ص:۱۴۷)

وذكر هٰذا كله مولانا عبدالحى الكهنوى فى السعاية مفصلًا

واختار ما ذكرناه فى تحقيق الميل. (سعاية ص:۴۹۲)

اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ میل کے بارہ میں قولِ مختار فقہائے کرام کا یہ ہے کہ چوبیس انگشت کے گز سے چار ہزار گز کا ایک میل ہے تو انگریزی گز سے دو ہزار گز کا ایک میل شرعی ہوا، کیونکہ ۲۴ انگشت کا ذراع ایک ہاتھ یعنی ڈیڑھ فٹ یا اٹھارہ انچ کا ہے، جیسا کہ ذراع کی تحقیق میں بحوالہ چکرورتی گزر گیا ہے۔

انگریزی میل اور شرعی میل میں فرق

انگریزی میل حسبِ تصریح چکرورتی آٹھ فرلانگ کا ہوتا ہے، اور ہر فرلانگ دوسوبیس (۲۲۰) گز تو انگریزی میل سترہ سو ساٹھ (۱۷۶۰) گز کا ہوگیا، معلوم ہوا کہ شرعی میل انگریزی میل سے دوسو چالیس (۲۴۰) گز بڑا ہے۔

فَرسَخ:- بفتح فا وسکون را وفتح سین۔ تین میل کی مسافت کا نام ہے، جیسا کہ عبارات میں گزر گیا۔

برید:- چار فرسخ یا بارہ میل کی مسافت کو کہا جاتا ہے، اور نہایہ میں ابن اثیر نے فرمایا ہے کہ یہ لفظ دراصل فارسی ''بریدہ دم'' کا مختصر ہے کیونکہ ڈاک لے جانے کے لئے بریدہ دم خچر استعمال کیئے جاتے تھے، مختصر کر کے ''برید'' کہنے لگے، پھر اس کے سوار کو بھی ''برید'' کہا جانے لگا یہاں تک کہ ایک سوار کی مقررہ مسافت کا بھی ''برید'' نام ہوگیا۔

مسافتِ سفر کی تحقیق

سفرِ شرعی کی مسافت کی تعین میں صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کے

مذاہب مختلف ہیں جن کی تفصیل عمدۃ القاری شرح بخاری وغیرہ میں مذکور ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی بھی اس بارہ میں روایات مختلف ہیں، مگر راجح اور صحیح مذہب امام اعظمؒ کا یہ ہے کہ کسی خاص مقدار کی تحدید میلوں وغیرہ سے نہ کی جاوے بلکہ تین دن تین رات میں جس قدر مسافت انسان پیدل چل کر بآسانی طے کرسکے یا اُونٹ کی سواری پر بآسانی طے کرے وہ مقدارِ مسافت سفرِ شرعی ہے، اور حسبِ تصریح ابنِ ہمامؒ بیلوں کی سواری کا بھی یہی حکم ہے، اور حسبِ تصریح بحرالرائق اُونٹ سے بھی قافلہ کا اُونٹ مراد ہے تیز رو سانڈنی مراد نہیں۔

اور تین دن تین رات کا یہ مطلب نہیں کہ دن رات چلے بلکہ مراد صرف دن میں چلنا ہے، اور وہ بھی پورے دن چلنا نہیں بلکہ جس قدر عادۃً متوسط قوت کا آدمی بآسانی چل سکتا ہے، جس کو بعض فقہاء نے صبح سے زوالِ آفتاب تک مقدر فرمایا ہے (کما ذکرہ الشامی ومثلہ فی البحر ج:۱ ص:۱۴۰)۔

اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے سفرِ شرعی کی مسافت تین منزل قرار دی ہے، صاحبِ ہدایہ اس کو نقل کرکے فرماتے ہیں کہ: اس روایت کا حاصل بھی تقریباً وہی ہے جو اُوپر مذکور ہوا یعنی تین دن کی مسافت اس کے بعد فرمایا: "**ولا معتبر بالفراسخ هو الصحيح.**" یعنی فرسخ اور میلوں کی تعیین کا کوئی اعتبار نہیں صحیح مذہب یہی ہے، اسی لئے عامہ متون و شروح میں جمہور مشائخ حنفیہ کا مختار یہی ہے کہ میلوں کی تعیین نہ کی جاوے۔

فتح القدیر، عمدۃ القاری، البحر الرائق، شامی، درمختار وغیرہ سب کا اسی پر اتفاق ہے، اس کے خلاف بعض فقہاء نے فراسخ یا میلوں کی تعیین بھی فرمائی ہے، حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ ۴۸ میل سے کم میں قصر نہ کرے، اور یہی امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب ہے، اور امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ (عمدۃ القاری ج:۳ ص:۵۳۱)

اور مشائخ حنفیہ میں سے بعض نے اکیس فرسخ جس کے تریسٹھ میل ہوتے ہیں، بعض نے اٹھارہ فرسخ جس کے چوّن[۵۴] میل ہوتے ہیں اور بعض نے پندرہ فرسخ جس کے پینتالیس[۴۵] میل ہوتے ہیں، مسافتِ قصر قرار دی ہے۔ عمدۃ القاری میں اٹھارہ فرسخ کے قول پر فتویٰ نقل کیا ہے، اور البحر الرائق میں بھی بحوالہ نہایہ اسی قول پر فتویٰ نقل کیا ہے، اور شامی اور بحر نے بحوالہ مجتبیٰ اکثر ائمہ خوارزم کا فتویٰ پندرہ فرسخ کی روایت پر ذکر کیا ہے۔ (بحر ج:۲ ص:۱۴۰)

اور شیخ محقق ابن ہمامؒ نے شرحِ ہدایہ میں میلوں کی تعیین معتبر نہ ہونے کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ تین دن تین رات کی مسافت جو اصل مذہب ہے وہ راستوں کے اختلاف سے مختلف ہوسکتی ہے، کیونکہ صاف راستہ میں اگر انسان ایک دن میں سولہ میل چل سکتا ہے تو دشوار گزار راستہ میں بارہ میل بمشکل طے ہوتے ہیں، اور پہاڑی راستوں میں تو آٹھ دس میل بھی طے کرنا مشکل ہوتا ہے، اس لئے میلوں کی تعیین مناسب نہیں بلکہ جیسا راستہ ہو اس کے انداز سے جس قدر میل بآسانی تین دن میں پیادہ طے ہوسکیں وہی مسافتِ قصر ہے۔

(فتح القدیر ج:۱ ص:۳۹۴)

لیکن ہندوستان کے عام بلاد میں چونکہ راستے تقریباً مساوی ہیں پہاڑی یا دشوارگزار نہیں ہیں، اس لئے علمائے ہندوستان نے میلوں کے ساتھ تعیین کردی ہے۔

پھر جن حضراتِ فقہاء نے میلوں یا فراسخ کے ساتھ مسافتِ قصر کی تعیین فرمائی ہے ان میں مختلف اقوال ہیں جو اُوپر مذکور ہوئے، اس لئے محققین علمائے ہندوستان نے ۴۸ میل انگریزی کو مسافتِ قصر قرار دے دیا ہے، جو اقوالِ فقہاء مذکورین کے قریب قریب ہے، اور اصل مدار اس کا اسی پر ہے کہ اتنی ہی مسافت تین دن تین رات میں پیادہ مسافر بآسانی طے کرسکتا ہے، اور فقہائے حنفیہ کے مفتیٰ بہ اقوال میں سے جو فتویٰ ائمہ خوارزم کا پندرہ فرسخ کا نقل کیا گیا ہے، وہ تقریباً اس کے بالکل مطابق ہے کیونکہ پندرہ فرسخ کے ۴۵ میل شرعی ہوتے ہیں اور شرعی میل انگریزی میل سے دو سو چالیس گز بڑا ہوتا ہے، تو ۴۵ میل شرعی ۴۸ میل انگریزی سے کچھ زیادہ متفاوت نہیں رہتے۔

اور ۴۸ میل کی تعیین پر ایک حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے جو دارقطنی نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

”یا اھل مکة! لا تقصروا الصلاة فی ادنی من اربعة برد من مکة الیٰ عسفان.“

(عمدة القاری ج:۳ ص:۵۳۱)

وذکرہ ابن اثیر فی النھایة.

''اے اہل مکہ! چار برید سے کم میں نماز کا قصر مت کرو، جیسے مکہ سے عسفان تک۔''

اس روایت کی سند میں اگرچہ ایک راوی ضعیف ہے (کما ذکرہ العینی) تاہم چونکہ مدار اصل مذہب کا تین دن کی مسافت پر ہے اس کو محض تائید کے لئے پیش کیا گیا ہے اور تائید میں ضعیف حدیث بھی کافی ہے، اس لئے استدلال میں کوئی مضائقہ نہیں۔

امام العلماء حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ نے ایک استفتاء کے جواب میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جس کی بعینہٖ نقل یہ ہے:-

سوال:- کتنی مسافتِ سفر میں نماز قصر کرنا چاہئے، حسبِ احادیثِ صحیحہ؟

الجواب:- چار برید جس کی سولہ سولہ میل کی تین منزل ہوتی ہیں، حدیث مؤطا مالک سے ثابت ہوتی ہیں مگر مقدار میل کی مختلف ہے، لہٰذا تین منزل جامع سب اقوال کو ہوجاتی ہے، فقط، واللہ تعالیٰ اعلم! رشید احمد عفی عنہ

سوال:- فرسخ اور میل کی تحدید معتبر ہے؟

الجواب:- فرسخ تین میل کا اور میل چار ہزار قدم کا لکھتے ہیں، مگر یہ سب تقریبی امور ہیں، اصل میل اس مسافت کا نام ہے کہ نظر مَیل کرے، اور یہ بھی مختلف ہے وقت اور محل اور رائی (دیکھنے والے) کے اعتبار سے، واللہ اعلم!

رشید احمد عفی عنہ (فتاویٰ رشیدیہ حصہ اول ص:۲۵)

الغرض مذہب مختار کے مطابق مسافتِ قصر تین منزل یا ۴۸ میل انگریزی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم!

خلاصہ اس تمام ضمیمہ کا بصورتِ جَدْوَل یہ ہے

نام پیمانہ عربی	پیمائش ہندی	کیفیت
ذراع شرعی	ڈیڑھ فٹ یا اٹھارہ انچ	اصل میں ۲۴ انگشت یا ایک ہاتھ ہے جس کی پیمائش ڈیڑھ فٹ ہوتی ہے۔
میل شرعی	ایک میل انگریزی اور ۲۴۰ گز	کما مر تحقیقہ
فرسخ	۳ میل انگریزی اور ۷۲۰ گز یا ۳ میل شرعی	کما مر
برید	۱۲ میل انگریزی	

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وبہ فی الاوّل والآخر نستعین

وھو نعم الوکیل ونعم المعین

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۷/ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ

تصدیقات علمائے کرام

تقریظ و تصدیق از سیّدی و سندی
حضرت حکیم الامت مجدد الملة تھانوی قدس سرہٗ

بعد الحمد والصلوٰۃ! احقر اشرف علی عفی عنہ نے رسالہ اوزانِ شرعیہ کو بالاستیعاب دیکھا، فقدانِ قوت و نقصانِ وقت کے سبب ماخذ و مبانی پر پوری تطبیق سے تو معذور رہا، لیکن بقول شاعر عربی و عارف پارسی: ''سبوح لھا منھا علیھا شواھد، آفتاب آمد دلیلِ آفتاب ...... الخ۔'' خود رسالہ اپنی صحت و صدق کی شہادت کا کفیل ہے، جس کی بناء پر عین مطالعہ کے وقت بے ساختہ اس کا لقب ''ارجح الاقاویل فی اصح الموازین والمکائیل'' قلب پر وارد ہوا، حق تعالیٰ سے اس کی مقبولیت اور نافعیت کی دعا کرتا ہوں، فقط وھذا للثانی من ذی الحجة ۱۳۶۱ھ، فی الخانقاه الامدادیه من تھانه بھون صینت ابد الزمن من الشرور والفتن۔

تقریظ وتصدیق از شیخ التفسیر والحدیث

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مدظلہم

برادر محترم جناب مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا یہ رسالہ میں نے پڑھا، بے حد محظوظ و مستفید ہوا، اس قدر تحقیق و کاوش آپ ہی کا حصہ تھا، حق تعالیٰ جزائے خیر دے، مجھے اس کے مضمون سے اتفاق ہے۔

شبیر احمد عثمانی

۲۷ر ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ

تصدیقات علمائے مظاہر علوم سہارنپور

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لا نبی بعدہ!

میں بھی رسالہ ''ارجح الاقاویل'' کے مطالعہ سے مشرف ہوا، مفتی صاحب کی تحقیق میرے نزدیک صحیح اور اکثر علمائے ہندوستان کی تصریحات کے مطابق ہے۔

۱۳۵۶ھ میں حیدرآباد دکن سے ایک صاحب نے مفتی حیدرآباد دکن اور مفتی دارالعلوم دیوبند کے فتاویٰ کا خلاصہ تحقیق صاع کے متعلق لکھ کر بھیجا تھا اور ہم سے رائے طلب کی تھی، ہم نے اس وقت بھی مفتی دارالعلوم دیوبند کی تصویب کرتے ہوئے مفتی حیدرآباد کی تحقیق سے اختلاف کیا تھا، اب بھی ہمارے نزدیک رسالہ ''ارجح الاقاویل'' میں صاع و نصاب کی جو تحقیق کی گئی ہے وہ صحیح

ہے اور مولانا عبدالحیٔ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے، اس لئے علمائے حیدرآباد کو اس مسئلہ پر دوبارہ غور کرنا چاہیئے اور اپنی تحقیقات کو شائع کرنا چاہیئے۔ واللہ الموفق للصواب!

سعید احمد غفرلہٗ

خادم دارالافتاء مظاہرالعلوم سہارنپور

۴؍محرم الحرام ۱۳۶۲ھ

بندۂ ضعیف عبداللطیف ناظم و خادم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی کی رائے اور تحقیق کو صحیح اور ارجح سمجھتا ہے، اللہ تعالیٰ مفتی صاحب موصوف کو جزائے خیر دے۔ ۴؍صفر ۱۳۶۲ ہجری

حامدًا و مصلیًا و مسلمًا، اما بعد! احقر رسالہ ''ارجح الاقاویل فی اصح الموازین والمکائیل'' (مؤلفۂ محترم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب) دیکھ کر بے حد مسرور ہوا، حضرت مؤلف دام مجدہٗ نے تحقیق و تدقیق، محنت و تفتیش کے ساتھ اس رسالہ کی تصنیف سے مسلمانوں کی شدید ضرورت کو پورا کیا، فجزاہ اللہ تعالیٰ عنی وعن سائر المستفیدین احسن الجزاء، اللہ تعالیٰ اس سعی و محنت کو قبول فرمائے۔

بندہ ناکارہ عبدالرحمٰن غفرلہٗ

خادم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

۳؍محرم ۱۳۶۲ھ

تقریظ وتصدیق از حضرت مولانا سیّد سلیمان صاحب ندوی
از دارالمصنّفین اعظم گڑھ

رسالہ مقادیر شرعیہ نظر سے گزرا، بڑی ضروری تحقیق فرمائی، آپ اجازت دیں تو اس کی تلخیص معارف میں شائع کردوں۔ میں خود اس میں بہت متردّد تھا، مگر چونکہ حساب سے مجھے فطرۃً لگاؤ نہیں، اس لئے کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر میلان ہوتا تھا، مولانا سجاد صاحب مرحوم کی بھی تحقیق مولانا عبدالحیٔ صاحبؒ فرنگی محلی سے مختلف تھی، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، والسلام!

سیّد سلیمان
۲۴ر فروری ۱۹۴۳ء

تقریظ از حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی
دامت مکارمہم

الحمد لله وسلام علىٰ عباده الذين اصطفىٰ، وبعد! فقد تشرفت بمطالعة الرسالة المباركة الملقبة بارجح الاقاويل فى اصح الموازين والمكائيل، لمحبى وحبيبى الفاضل المقدام الفقيه العلام مولانا محمد شفيع الديوبندى المفتى باجل مدارس الاسلام فسُررت بها مسرة من رأىٰ هلال العيد ووجدت بها وجد من ادرك الفقيد، فللّٰه دره من محقق قد اتىٰ بما لا يحتمل المزيد من تحقيق انيق ومن مصيب قد وفق لاستخراج الدرر من لجة بحر عميق لا زال مشمولا برعاية الحق واعانة التوفيق والله خير موفق له ومعين وصلى

اللہ علیٰ سیّد المرسلین خاتم النبیین سیّدنا النبی محمد وعلیٰ الہٖ واصحابہٖ اجمعین. وانا الفقیر الی اللہ الصمد عبدہ المذنب

ظفر احمد العثمانی التھانوی عفا عنہ ربہ القوی

۳؍محرم ۱۳۶۲ھ

مکتوب جناب عبدالرشید صاحب مدرس مدرسہ الٰہیہ بھوپال در تقریظ رسالہ

جناب مکرم ومحترم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

''المفتی'' جلد:۸ کا نمبر:۷،۸ پہنچا، اس میں مقادیر شرعیہ کی جو لاجواب تحقیق کی گئی ہے اس پر میں کہاں تک آپ کو دعائیں دوں۔

اللہ تعالیٰ آپ کی عمر وعلم وعمل میں بہت ہی بہت برکت فرمائے، آمین ثم آمین!

میں مولانا فرنگی محلی مرحوم ومغفور سے بہت زیادہ حسنِ ظن وحسنِ عقیدت رکھتا ہوں اس لئے عقیدۃً ان کی تحقیق کو ارجح واقویٰ سمجھے ہوئے تھا، لیکن خدا جانے کیوں عمل ہمیشہ جمہور علماء کے فتویٰ ومسلک کے موافق رہا، مسئلہ ہمیشہ اسی پرانے مسلک کے موافق بتاتا رہا، مرحوم ومغفور کی تحقیق پر اتنا اعتماد تھا کہ کبھی مزید تحقیق کی ضرورت ہی نہیں سمجھی، اب آپ کی اس تحقیق کو دیکھ کر آنکھیں کھلیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے غلطی سے زبردستی بچائے رکھا، اب اس وقت مجھے مولانا تھانوی وحضرت مفتی کفایت اللہ صاحب مدظلہما

اور آپ پر بہت اعتماد ہے، ان میں سے آپ سے کسی قدر بے تکلف بھی ہوگیا ہوں اس لئے عرض کرتا ہوں کہ سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کا رسالہ حقوق الزوجین بھی ملاحظہ فرما کر اس پر بھی ایک بسیط تبصرہ تحریر فرمائیں، مجھے ان کی رائے کچھ صحیح و درست معلوم ہوتی ہے، غالبًا یہ رسالہ دیوبند میں دستیاب ہوجائے گا ورنہ دفتر ترجمان القرآن سے منگوا لیجئے۔

المفتی کے بند ہونے کا رنج وقلق اس کے دوبارہ جاری ہونے تک باقی رہے گا، میں اگر کسی قابل ہوتا تو اس کے نقصان میں کوئی حصہ اپنے ذمہ لیتا، مگر یہ تو مجھ سے کسی طرح نہیں ہوسکتا کہ میں بقیہ چندہ کو فی الواقع باقی سمجھ کر اس کی واپسی چاہوں، میرے نزدیک ہر خریدار پر آپ کا فاضل ہے اس لئے میری طرف سے تو آپ بالکل بے فکر و مطمئن رہیں، میں نہ نقدی چاہوں، نہ کتاب، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو آنکھیں دے کہ وہ علماء کے اخلاص و دیانت کو دیکھیں اور اس سے سبق لیں۔

فقط اضعف العباد

مسکین عبدالرشید عفی عنہ

سابق مدرس مدرسہ سلیمانیہ، حال مدرس مدرسہ الٰہیہ بھوپال

سہ شنبہ ۲۷/ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ، ۵/جنوری ۱۹۴۳ء

از مولانا عبدالماجد صاحب مدیر ''صدق'' لکھنؤ

ارجح الاقاویل فی اصح الموازین والمکائیل۔ از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، ۲۴ صفحے خود مصنف ہی کے پاس سے دیوبند ضلع سہارنپور کے پتہ سے غالبًا ٹکٹ بھیجنے پر مل جائے۔

کتاب شریعت کے باب الاحکام میں حوالے مختلف مقداروں اور پیمانوں کے ملتے ہیں، مثلاً زکوٰۃ میں سونے چاندی کا نصاب، صدقۂ فطر میں صاع کا وزن، سفرِ شرعی میں مسافت وغیرہا اور اس باب میں فقہاء و علماء ہند نے بڑی کوشش و کاوش سے ہندی وزن و پیمانے درج کئے ہیں، لیکن بشری تحقیق مسامحت سے کہاں خالی رہ سکتی ہے، بعض اقوال میں باہم اختلاف بھی ملتا ہے، اب مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی نے ازسرِنو ان مسائل کو اپنا موضوعِ تحقیق بنایا ہے اور حق یہ ہے کہ سعی و کاوش کا حق ادا کردیا ہے، ان کی تحقیق کی تصدیق پر تو حضرت مولانا تھانوی اور مولانا شبیر احمد عثمانی جیسے جید علماء کی مہریں ثبت ہیں، باقی جہاں تک تدقیق و موشگافی کا تعلق ہے اس کا اندازہ تو ہم عامیوں کو بھی ہوسکتا ہے، اور اس کی داد دل سے بے ساختہ نکلتی ہے، رشک کے ساتھ حیرت ہوتی ہے کہ اس دور میں بھی ایسے ایسے عنوانات پر اس درجہ تحقیق کر ڈالنے والے موجود ہیں۔

رائج الوقت اوزان کے مطابق نقشہ

مرتبہ: مولانا محمد اشرف قریشی

نمبر شمار	پیمانۂ عربی	برطانوی نظام	اعشاری نظام
۱	قیراط	۱ء۸ رتی	۲۱۸ء۷ ملی گرام
۲	دانق یا دانگ	۲ء۷ رتی	۸۷۴ء۸ ملی گرام
۳	درہم	۲۵ء۲ رتی	۳ء۰۶۱۸ گرام
۴	مثقال یا دینار	۴ء۵ ماشہ	۴ء۳۷۴ گرام
۵	رطل بغدادی	۳۴ تولہ ڈیڑھ ماشہ	۳۹۸ء۰۳۴ گرام
۶	مد یا من	۱۳ء۶۵ چھٹانک	۷۹۶ء۰۶۸ گرام
۷	اوقیہ	۱۰ء۵ تولہ	۱۲۲ء۴۷۲ گرام
۸	صاع بحسابِ درہم	۲۷۳ تولہ	۳ء۱۸۴۲۷۲ کلوگرام
۹	نصف صاع	۱۳۶ء۵ تولہ	۱ء۵۹۲۱۳۶ کلوگرام
۱۰	چاندی کا نصاب	۵۲ء۵ تولہ	۶۱۲ء۳۶ گرام
۱۱	سونے کا نصاب	۷ء۵ تولہ	۸۷ء۴۸ گرام
۱۲	مہر کی کم از کم مقدار	۳۱ء۵ ماشہ چاندی	۳۰ء۶۱۸ گرام چاندی
۱۳	مہر فاطمی	۱۳۱ء۲۵ تولہ چاندی	۱ء۵۳۰۹ کلوگرام چاندی
۱۴	دیت کی مقدار	۲۶۲۵ تولہ چاندی	۳۰ء۶۱۸ کلوگرام چاندی
۱۵	ذراع کرباس	۱۸؍انچ یا نصف گز	۴۵ء۷۲ سینٹی میٹر
۱۶	مسافت قصر (میدانی علاقوں میں)	۴۸ میل	۷۷ء۲۴۸۵۱۲ کلومیٹر